بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(1)

خُدا کے فضل کے مقابلہ میں ہماری کوشش

فرمودہ ۴ ؍ جنوری ۱۹۱۸ء

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور نے فرمایا:-

"ہم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل اور احسان ہے کہ وہ بغیر ہماری کسی کوشش اور محنت کے اپنے انعامات اور فضلوں سے ہمیشہ حصہ وافر دیتا رہتا ہے۔ ہم اگر اپنی محنتوں اور کوششوں کو دیکھیں۔ یا اس کی بجائے بہتر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر ہم اپنی غفلتوں، سستیوں اور کاہلیوں کو دیکھیں تو ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے جو فضل اور انعام نظر آرہے ہیں وہ حیرت ہی میں ڈال دیتے ہیں۔ ہماری کوشش کیا ہے اور ہماری قربانیاں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے مقابلہ میں ایک حقیر چیز ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو ان کو حقیر چیز کہنا بھی بڑا دعویٰ ہے۔ ان کیلئے مناسب الفاظ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضلوں اور انعاموں کے مقابلہ میں کوئی چیز بھی نہیں ہیں۔ ان کو حقیر چیز کہنا بھی درحقیقت ان کی بڑائی بیان کرنا ہے۔ یقیناً یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے مقابلہ میں کچھ چیز بھی نہیں ہیں۔ پھر جب خدا تعالےٰ بغیر ہماری محنتوں اور کوششوں کے ہم پر اسقدر فضل اور احسان اور انعام کر رہا ہے۔ تو کیا یہ ہمیں اس طرف متوجہ نہیں کرتے کہ وہ وقت آگیا ہے جبکہ ہمیں بھی کوشش اور محنت سے کام لینا چاہیئے۔ پھر کیا یہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور عنایتیں

ہمیں اس طرف متوجہ نہیں کرتیں۔ کہ درحقیقت خدا تعالےٰ نے ہمارے لیے بہت بڑی بڑی نعمتیں مقدر کر رکھی ہیں۔ اور جو کچھ ہمیں حاصل ہو رہا ہے۔ وہ ایک طعمہ کی طرح ہے۔ جو کھونٹی کے آگے مچھلی پکڑنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ یا یہ ایک ایسا ہی انعام ہے۔ جیسا کہ ماں باپ بچہ کو پڑھنے کے لیے بھیجتے وقت پیسہ یا مٹھائی دے دیا کرتے ہیں جس طرح وہ پیسہ یا مٹھائی بچہ کے لیے درحقیقت نشان ہوتا ہے اس بات کا کہ اگر تم تعلیم حاصل کرو گے۔ تو بہت زیادہ انعام اور آرام حاصل کرو گے اور یہ چیزیں ان انعاموں کا حصہ نہیں ہوتیں جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ ان کے حاصل کرنے کے لیے تحریص دلانے اور برانگیختہ کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح اس وقت ہم پر جو خدا تعالےٰ کے فضل ہو رہے ہیں وہ آنے والے فضلوں کا حصہ نہیں۔ بلکہ انکے حصول کے لیے برانگیختہ کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اب تم خود سوچ لو کہ جہاں یہ ذریعہ ایسا عالی شان ہے۔ وہاں اصل انعام کس رُتبہ اور پایہ کے ہونگے۔ جو کچھ نسبت ان چند پیسوں یا مٹھائی کی ڈبیوں کو ان سکھوں اور انعاموں سے ہوتی ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ وہی موجودہ فضلوں کو آئندہ ہونے والے فضلوں پر قیاس کر لو۔ بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ جس طرح وہ قلم یا پنسل یا نب یا مٹھائی جو ایک اُستاد یا باپ لڑکے کو اس لیے دیتا ہے کہ تعلیم حاصل کرے۔ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کے فوائد سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح ہم پر جو خدا کے فضل اور انعام ہو رہے ہیں وہ بھی آئندہ ملنے والے انعام کے مقابلہ میں معمولی ہیں۔ پس اُن ملنے والے انعاموں کو حاصل کرنے کے لیے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ موجودہ انعامات کی قدر کرے۔

دُنیا میں اسلام کے پھیلانے اور ہدایت کے پہنچانے کے لیے ہماری کیا کوششیں ہیں۔ مگر ان کے مقابلہ میں اللہ تعالےٰ کے فضلوں اور احسانوں کو دیکھو کہ ہر لحہ اور ہر گھڑی ہمارا قدم آگے ہی آگے پڑ رہا ہے۔ ہمارے راستہ میں مصیبتیں اور مشکلات تو ایسی ہیں کہ بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹنا چاہیئے اور بوجھ اتنے ہیں کہ بجائے کھڑا ہونے کے بیٹھ جانا چاہیئے مگر جب ایک سال گذرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم کہاں تھے اور اب کہاں پہنچ گئے ہیں۔ گو ہم سو رہے تھے اپنی کوششوں میں بہت سُست بلکہ غافل تھے مگر کسی طاقت ور ہستی نے ہمیں پہلے کی نسبت بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ ہماری مخالفت کا تو یہ حال ہے کہ جس طرح دریا کی ایک رَو چلتی ہے۔ اور اوپر کی طرف نہیں جانے دیتی۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ زور کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں چل رہی ہے۔ کوئی انسان ایک دریا کی رَو کے مقابلہ میں نہیں چل سکتا، مگر

ہمارے مقابلہ میں تو ساری دُنیا کے دریاؤں کے دہانے کھول دیئے گئے ہیں۔ پھر ہماری کوششوں کا یہ حال ہے کہ گویا ہم سو رہے ہیں۔ مگر جب ایک وقت گذر جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے قدم پیچھے نہیں ہٹے۔ بلکہ اور زیادہ آگے بڑھ گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے قدم ہماری کوششوں سے نہیں بڑھ رہے۔ بلکہ کوئی اور ہی طاقت ہے جو انھیں بڑھا رہی ہے پس ہماری جماعت کے لوگوں کا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے خُدا کا شکر ادا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراھیم: ۸) کہ اگر تم شکر کروگے تو اور زیادہ دُونگا۔ اور اگر کُفر کروگے تو میرے پاس سخت عذاب بھی ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے فضل جس قدر ہم پر ہو رہے ہیں۔ ان کا ایک نمونہ تو یہی جلسہ ہے جو ابھی ہوا ہے۔ اس دفعہ بعض واقف کاروں نے کہا تھا کہ پہلے کی نسبت نصف لوگ آئیں گے اور اس کی وجوہات یہ بیان کی تھیں کہ (۱) مختلف قسم کی بیماریاں اور عوارض کی کثرت ہے (۲) قحط ہے (۳) پہلے جلسوں میں تو کرایہ میں تخفیف ہو جایا کرتی تھی۔ مگر اب کے اور بڑھ گیا ہے (۴) بعض جگہ کی ریلیں بند کردی گئی ہیں۔ یہ تو انسانی اندازے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت میں جو اخلاص اور جوش پیدا کر دیا ہے اس کی وجہ سے اب کے پہلے کی نسبت کئی سو آدمی زیادہ آیا ہے پھر جماعت کے اخلاص۔ قُربانی اور جوش میں بھی پہلے کی نسبت بہت زیادتی ہوئی ہے۔ کیا یہ ہماری کسی کوشش اور سعی کا نتیجہ ہے۔ نہیں! بلکہ خُدا کے فضل اور احسان کا نتیجہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ اگر انعام حاصل ہونے پر میرا شکر کروگے تو مَیں اسے اَور بڑھا دُونگا اور اگر نہیں کروگے تو پھر یہی نہیں کہ وہ انعام ہی چھین لُونگا۔ بلکہ عذاب میں مُبتلا کر دُونگا۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں کئی لوگ ایسے ہیں جو صرف جلسہ کے قریب دو مہینے جاگتے ہیں اور باقی سارا سال سوتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ یہاں بھی ہیں اور باہر بھی انھیں اس عرصہ میں خیال تک نہیں آتا کہ ہمارا بھی کوئی فرض ہے۔ وہ ایک لمبا عرصہ سوتے رہتے ہیں۔ اور اس دیو کی طرح سوتے ہیں جس کے متعلق ہم بچپن میں سُنا کرتے تھے کہ چھ ماہ سوتا تھا اور چھ ماہ جاگتا۔ مگر یہ تو دس ماہ سوتے ہیں اور دو ماہ جاگتے ہیں۔ وہ دیکھ لیں کہ ان کے دو ماہ جاگنے پر جب خدا تعالیٰ اسقدر انعام اور فضل کرتا ہے تو اگر وہ سارا سال جاگیں تو کسقدر کریگا مگر کئی لوگ ہیں کہ جب جلسہ سے واپس جاتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ بس ہمارا فرض ادا ہو گیا۔ اب اگلے جلسہ پر ہی کچھ کرینگے فی الحال آرام کریں۔

مَیں ایسے لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے لیے اس دُنیا میں آرام سے بیٹھنے کے دن گئے۔ مومن کو یوں تو ہر وقت اور ہر حالت میں ہی آرام رہتا ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو آرام حاصل نہ تھا، جو آرام ان کو تھا۔ اس کا تو اندازہ ہی کرنا مشکل ہے۔ لیکن کیا اُنھوں نے تلواروں کے نیچے اپنی گردنیں نہیں ڈال دی تھیں۔ کیا وہ دین کے لیے گھر سے بے گھر۔ وطن سے بے وطن رشتہ داروں سے جُدا نہیں ہوتے تھے۔ کیا ان کی جان اور مال خدا کی راہ میں صرف نہیں ہوا تھا یہ سب کچھ ہوا تھا، لیکن باوجود اس کے انھیں آرام اور اطمینان حاصل تھا، مگر آج کل آرام کے معنی نکما اور بیکار رہنے کے سمجھے جاتے ہیں۔ جو آرام نہیں۔ بلکہ سُستی اور عیش پرستی کہلاتی ہے۔ اور یہ مومن کے لیے حرام ہے۔ اس لیے مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ کام کے دن گذر گئے ہیں۔ اور اب نکما بیٹھنے کے دن آئے ہیں۔ کیونکہ ان دنوں نے تو انھیں خوب اچھی طرح آگاہ کر دیا ہے کہ تمہارے لیے پہلے سے بھی زیادہ مصروفیت کے دن آگئے ہیں اور اس طرف بھی متوجہ کر دیا ہے کہ جب تمہیں کوئی کوشش نہ کرنے کی صورت میں اسقدر انعام مل رہے ہیں۔ تو جب ہم کوشش کریں گے اس وقت کس قدر ملیں گے۔ پس جہاں میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اس سال ہمارا قدم پہلے سے بہت آگے ہے وہاں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ جاکر سو نہ رہیں۔ بلکہ جاگیں اور کام میں لگ جائیں۔

اس کے بعد میں ان دوستوں کو جنھوں نے دین کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں اسی خُطبہ میں آگاہ کرتا ہوں کہ وہ کل صبح کی نماز کے بعد مسجد میں جمع ہوں۔ تاکہ ان کے جو فرائض مَیں نے سونپے ہیں۔ ان سے آگاہ کیا جائے اور آئندہ کے لیے کام کرنے کا طریق تجویز کیا جائے۔ بیرونی احباب کو بعد میں اطلاع دیدی جائیگی۔ بعض بچّوں نے بھی اس سلسلہ میں شامل ہونے کی درخواستیں دی ہیں، لیکن ان کے متعلق اسی وقت غور ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ بڑے ہو جائیں اور اس وقت بھی ان میں یہی جوش پایا جائے۔ اس لیے جن کی عمر ۱۶ سال سے کم ہے وہ نہ آئیں اور جن کی اس سے زیادہ ہے اور اُنھوں نے درخواستیں دی ہیں۔ وہ آجائیں۔ تاکہ ان کے کام کے متعلق غور اور مشورہ کیا جاوے۔"

(الفضل ۲۶ر جنوری ۱۹۱۸ء)

◎